فقہی اختلاف کی حقیقت

ثمینہ ناصر *
مستفیض احمد علوی**

امتِ مسلّمہ آج زوال کا شکار ہے۔ مسلمان محض جذبات اور عقیدے کے زور پر مسالک و گروہوں میں بٹ چکے ہیں ۔وہ اختلاف اور تفرقے کی حقیقت اور ان کے اثرات کا ادراک نہ کرتے ہوئے معاشرتی ٹوٹ پھوٹ، باہمی جنگ وجدل، محاذ آرائی کا سبب بن رہے ہیں۔اختلاف جو کہ انسانی فطرت کا خاصہ اور انسانی سماج کی رنگارنگی کا موجب ہے۔اور منشا الٰہی بھی ہے۔اس کے فکری پہلو کا ادراک نہیں رکھتے۔اختلاف کو وسیع معنی میں دیکھا جائے تو اختلاف اور تفرقہ دو مختلف چیزیں ہیں۔اختلاف تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک اصول ہے، جس پر اس نے انسانوں کو بنایا ہے۔اللہ کی تخلیق میں ایک بو قلمونی اور رنگارنگی ہے۔چنانچہ اختلاف تو ہر جگہ موجود ہے جبکہ تفرقہ ایک الگ شے ہے۔ تفرقہ یہ ہے کہ اختلافِ رائے کو بڑھا کر تصادم اور کشمکش کی شکل دی جائے جس سے امت تقسیم کا شکار ہو جائے۔ شریعتِ اسلامی نے اختلافِ رائے سے نہیں روکا مگر تفرقے سے بچنے کی تاکید کی ہے۔اپنی لاعلمی اور کم فہمی کی بدولت اختلاف کی حقیقت سمجھنے میں کوتاہی کی جارہی ہے۔ نتیجتاً انانیت و کج روئی کے باعث زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جانا جائے کہ اختلاف کیا ہے؟اور آخر کار ایک امت کو کہاں لے جاتا ہے۔زیرِ نظر مقالہ میں اختلاف کے مفہوم، اختلاف کی حدود و قیود اور اس کی حقیقت کو بیان کیا جارہا ہے۔

اختلاف کیا ہے؟

اختلاف کا لفظ اُردو زبان میں عربی سے آیا ہے۔اس کا مادہ خ ل ف ہے اور اختلاف باب افتعال سے ہے، جس کا مطلب اپنے پیچھے سے پکڑنا، ناموافق ہونا۔ گویا اس لفظ کے معانی مختلف یا الگ ہونے یا تمیز کرنے کے ہوتے ہیں۔"وتَخالَفَ الأَمْران واختَلَفا لم يَتَّفِقا وكلُّ ما لم يَتَساوَ" (۱) یعنی ہر وہ چیز جو دوسری سے

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد، پاکستان۔
** پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ، پاکستان۔

مخلف ہو اس کے مساوی نہ ہو۔ کسی صورت میں موافقت کے آثار دکھائی نہ دیں۔

لفظی معنی کے اعتبار سے اختلاف مختلف ہونے کے لئے مستعمل ہے۔ مجازی طور پر اختلاف کا لفظ تنازعے اور جھگڑے کے معنی میں بولا جاتا ہے گویا اختلاف کے معنی مختلف ہونے ،الگ ہونے متفق نہ ہونے اور نا موافق ہونے کے ہیں۔ لیکن جب یہی لفظ اپنے اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس میں وسعت کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ ”رائے کا تفاوت، اجماع کے مقابل میں بولا جاتا ہے اور اس سے مراد علمائے شرع و اصول کی آراء کا وہ اختلاف ہے جو فقہی احکام و کلیات کی عملی تفصیلات میں ہو اور اس کی زد مہمات اصول پر نہ پڑے۔" (۲)

گویا علمائے شرع و اصول کی آراء میں وہ اختلاف ہے جو فقہی احکام و کلیات کی عملی تفصیلات میں ہو اور کسی مسئلے میں صرف اپنے امام کی رائے کو کافی سمجھا جائے علم الخلاف ہو گا جب کہ اگر کوئی کسی مسئلے میں دلیل پیش کر کے اختلاف کرے تو وہ اصولی کہلائے گا ایسا اختلاف علمی بنیاد پر ہو گا جو کہ توسع و وسعت کی علامت ہے۔

اس حقیقت سے مفر نہیں کہ اختلاف ،فرق و تفاوت اور رنگارنگی انسان کا خمیر اور انسانی سماج کا خاصہ ہے۔ قرآنِ مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر مثالوں میں اختلاف اور مختلف ہونے کا لفظ کائنات کی رنگارنگی اور مظاہر کے تنوع کے بیان میں استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پورے نظام دنیا کا اختلاف سے گہرا تعلق ہے۔ سورۃ فاطر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا (۳)

پھر ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے۔

کائنات کی ہر شے میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف سے اس کا حسن کارخانہ قدرت کی کرشمہ سازی اور قدرت خداوندی کا عظیم شاہکار ہے۔ اس مفہوم میں اختلاف نہ تو کوئی ناپسندیدہ امر ہے اور نہ ہی خلاف مصلحت ،بلکہ عین فطرت اور منشاء خداوندی کا عین تقاضا ہے۔ قرآن میں اختلاف کا لفظ تنوع کے معنی میں آیا ہے۔ فاطر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ قدرت کا یہ تنوع ،اس کی یہ کارفرمائی صرف حیوانات، جمادات ،چرند و پرند اور احجار و اشجار میں ہی منحصر نہیں بلکہ انسانی زندگی ، بود و باش و معاشرت میں بھی نمایاں ہے۔ انسانی عقول و قلوب ، فہم و تفقہ اور ذکاوت و فراست بھی باہم متفاوت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ(۴)

اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔ اہل دانش کے لئے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

رنگ وزبان اور مظاہر تخلیق کے اختلافات جب خدا کی نشانیاں ہیں تو حواس و عقلیں بھی اپنے نتائج کے ساتھ ہی خدا ہی کی نشانیاں اور اس کے قدرت کاملہ کے دلائل ہیں۔ اگر سارے انسان ہر چیز میں برابر ہوتے تو دنیا کی یہ آبادی و شادابی اور اس کی یہ زندگی کیسے رواں دواں رہتی اور جو چیز جیسے اور جس کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ اسے حاصل بھی ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے یہ بات عیاں ہے کہ اختلاف کا لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ایسے میں انسانی رائے اور رویہ پر طبعی رجحانات، مزاج ومذاق کے فطری اختلاف کے اثر کا ظاہر ہونا اور اس کی بناء پر آراء میں اختلاف کا ہونا، منزل تک پہنچنے کے لئے رستوں کے تعین میں اختلاف حصول ہدف کے ذرائع میں اختلاف فطری امر ہے جس سے کسی کو مفر اور راہِ خلاص نہیں۔ ہر انسان اپنی تخلیق، غور و فکر اور ذوق کے اعتبار سے انفرادیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس فطری اختلافِ رائے کو نہ تو ختم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ اتحاد و اتفاق کے منافی ہے اور نہ اس کو فساد عالم کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہر کیف فرق اور اختلاف کے باوجود اجتماعی اور قومی امور میں ایک خاص حد تک اتحاد اور یگانگت بھی مطلوب ہے۔ اختلافِ فکر و نظر کو کسی صورت میں فتنہ و فساد اور ملی وحدت کے نقصان کا سبب نہیں بننا چاہیے۔ اس لئے کہ اختلاف جب ضد اور انانیت اختیار کر لیتا ہے تو ضد کا نتیجہ جھگڑے اور تنازع کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم میں اختلاف ایک دوسرے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے اور وہ ہے اختلاف بمعنی مخالفت، کشمکش، ضد اور نزاع۔ جس کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

سورۃ انفال میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ(۵)

اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ خلاف اور اختلاف سے مراد کسی بات، رائے، حالت و ہیت یا کسی موقف میں مطلق مغاریت ہے۔ جب کسی بات کا اختلاف "تنازع" کی شکل اختیار کرنے لگے تو اسے منازعہ و مجادلہ کہتے ہیں، اور جب اپنے مؤقف کے اثبات یا دفاع میں شدت اختیار کیا جائے تو اسے "جدل" کہتے ہیں۔ اختلافِ رائے کے کئی مراحل اور درجات ہو سکتے ہیں ان درجات کی کیفیت کے مطابق جدل اور انشقاق کے الفاظ بھی قرآن میں آئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا(۶) اور اگر تم لوگوں کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے۔ یعنی تمھیں میاں بیوی کے درمیان ایسے سخت اختلاف کا ڈر ہو کہ جس کے

نتیجے میں ایسا تنازعہ پیدا ہو گا جس سے دونوں کی راہ جدا ہو جائے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ (۷) تو وہ تمہارے مخالف ہیں۔شقاق سے مراد فراق ہے۔ گروہ بندی کرنا۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں بھی شقاق کا لفظ تنازعہ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔جس کی بنیاد مخالفت، ضد اور دشمنی ہے۔جب دو افراد میں باہمی جھگڑا شدت اختیار کر جائے اور اگر متحاربین کے درمیان الفاظ کی جنگ اتنی شدید ہو جائے کہ اظہارِ حق و صواب کے بجائے ہر فریق ایک دوسرے پر محض غلبہ حاصل کرنا چاہے اور ان کے درمیان افہام و تفہیم یا اتفاق پیدا ہونا مشکل ہو جائے تو ایسی حالت کو "شقاق" کا نام دیا جاتا ہے۔جس کس نتیجہ معاشرتی ٹوٹ پھوٹ، باہمی جنگ و جدل، محاذ آرائی حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ شریعتِ اسلامی نے اختلافِ رائے سے نہیں روکا۔تاہم اختلاف کی ہر قسم قابلِ قبول اور جائز بھی نہیں ہے۔جب اختلاف اپنی حدود میں نہ رہے تو وہ امت میں افتراق و تشتت کا باعث بنتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہا نے اختلاف کی دو صورتیں بیان کی ہیں :ایک اختلافِ محمود، جو شریعت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے اور اسی کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔دوسرا اختلافِ مذموم، جو ضد، ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی ہوتا ہے اسے مذموم کہا گیا ہے۔بہت سی چیزوں میں آنحضرت کے بعد لوگوں میں اختلافِ رائے رونما ہوا۔مذہبی اختلافات (فقہی اختلافات) کے باوجود فرقوں کے درمیان جنگ و جدل کی نوبت نہیں آئی بلکہ قلم کے ذریعے اپنے مذہبی خیالات و نظریات کا دفاع کرتے تھے۔

اختلاف کی شرعی حیثیت:

شریعت نے اُمت پر واضح کر دیا کہ اختلاف ہو جانے کی صورت میں کیا طریق کار اپنائیں اور ان کا طرز عمل کیا ہو تا کہ ان کا 'اختلاف' کہیں 'انحراف' نہ بن جائے اور 'آراء کا تنوع' کہیں 'جادہء حق سے خروج' تک نہ پہنچ جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ(۸)
>
> پھر اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔

چنانچہ اس آیت میں واضح ہدایات ہیں۔نزاع اور اختلاف آجانا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی مفر نہیں اور یہ ضرر رساں بھی ہر گز نہیں جب تک کہ نزاع اور اختلاف کرنے والے آپ ﷺ کو حَکَم تسلیم کرلیں۔

وہ سب نصوص جو اختلاف کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو شرع کے حدود اور آداب سے تجاوز کر گیا ہو۔ یا وہ اختلاف جس سے مقصود حق تک رسائی نہ ہو بلکہ ہوائے نفس ہو اور یا پھر تعصب۔ البتہ وہ اختلاف جو صحابہ وتابعین اور ان ائمہ ہدایت کے ہاں پایا گیا جن پر پوری اُمت اعتماد کرتی ہے اور جن میں کہ ائمہ اربعہ بھی آتے ہیں تو وہ سب اختلاف دائرہ شرع کے اندر ہے اور وہ فصیل شرح سے خروج نہیں کرتا۔

جب انسان کا واسطہ مختلف خطوں، تہذیبوں سے پڑتا ہے تو اس کے مزاج و عقیدے میں فرق کا پایا جانا فطری امر ہے۔ اسی فرق کو اختلافِ رائے سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ فرق و اختلاف اسلام کے بنیادی عقائد میں کسی صورت جائز و نہیں۔ جس طرح رنگ و زبان کا اختلاف ایک فطری امر اور اللہ رب العزت کی قدرت کی نشانی ہے اسی طرح تصورات و افکار کے اختلاف کے ساتھ ہی متنوع انسانی عقل و حواس کی تخلیق بھی مشیت خداوندی ہے۔ جس سے لازمی طور پر کسی ایک مسئلہ میں بھی متعدد اقوال اور آراء واحکام سامنے آئیں گے۔

ڈاکٹر حبیب الرحمان نے اپنی تالیف فقہی اختلافات کے پیش لفظ میں اختلاف میں گنجائش کے لحاظ سے تین طرح کے احکام بیان کئے ہیں:

۱۔ وہ احکام جن کی قرآن اور سنت ثابتہ میں صراحت ہے اور اس کا معنی قطعی ہے۔ اس نوع کے احکام میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اسلام کا مدار ان قطعیات پر ہے اور یہی اسلام اور کفر کی حدود کا تعین کرتی ہیں۔

۲۔ وہ احکام جن کی قرآن اور سنت ثابتہ میں صراحت ہے مگر ان کا معنی قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے، یعنی اس کے مفہوم کے تعین میں ایک سے زائد آرا ممکن ہیں۔ اس قسم کے احکام کی تعبیر و تشریح میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

۳۔ وہ احکام جن کی قرآن اور سنت ثابتہ میں صراحت نہیں ہے بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہا نے اجتہاد سے ان کا استنباط کیا۔ اس نوع کے اجتہادی مسائل میں اختلاف کی وسیع گنجائش ہے۔ (۹)

فقہی اختلاف کی حقیقت اور اس کا پس منظر جاننے کے لئے چند امور سے آگاہی ضروری ہے۔ قرآن و سنت کی شکل میں احکامِ شریعت کا جو مجموعہ امت کو عطا کیا گیا اس کے دو حصّے ہیں، ایک حصّہ ایسے منصوص احکام کا ہے جنہیں قرآن یا حدیث میں ان کی جزئیات کی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ جیسے، میراث کے احکام، محرمات خواتین جن سے نکاح حرام ہے۔ قصاص کے بعض احکام وغیرہ دوسرا حصّہ ایسے احکام کا ہے جن

میں صرف اصولی ہدایات دی گئی ہیں، یہ حصہ بہت بڑا اور وسیع ہے اور یہی فکر و فہم کی جولانگاہ ہے۔

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ شریعت کی اصولی اور بنیادی تعلیمات بالکل واضح اور دوٹوک ہیں۔اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور جھول نہیں پایا جاتا۔ جن میں توحید و رسالت کا اقرار، عقائد اور امورِ آخرت سے متعلق چیزیں اور دین کی وہ بنیادی باتیں شامل ہیں جو قطعی دلائل سے ثابت ہیں۔ان سے سر مو انحراف بسا اوقات انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کرکے کفر و شرک کی حدود میں شامل کر دیتا ہے۔یہ منصوص احکام کہلاتے ہیں۔دوسرے احکامات وہ ہیں جو شریعت کی جزوی تفصیلات اور فقہا کی تحقیقات،تدقیقات سے تعلق رکھتے ہیں، جنھیں شریعت کی اصطلاح میں ''امورِ مجتہد فیہا'' کہا جاتا ہے۔یہ غیر منصوص احکام کہلاتے ہیں۔

عہدِ رسالت میں فقہی جزئیات کا نہ تو کوئی وجود تھا اور نہ ہی اس قسم کے فقہی اختلافات تھے۔آپ کی ذاتِ گرامی تمام صحابہ کرام کی مرجع تھی۔جب کسی صورتحال کا سامنا ہوتا یا نیا مسئلہ پیش آتا تو حضور وضاحت فرما دیتے اور وہ سنت بن جاتی۔ حضور اکرم نے اسی لئے معمولی جزئیات و فروعات پر زور نہ دیا تاکہ ان پر اختلافاتِ باہمی کے دروازے کھلنے نہ پائیں۔عہدِ رسالت میں صحابہ کرام کے درمیان احکامِ نبوی کے فہم میں اختلاف ہوا،یہ اختلاف حضور رسالت مآب میں پیش کیا گیا اور آپ نے اختلاف پر نکیر نہیں فرمائی،بلکہ معاملہ کے ہر فریق میں سے کسی کو بر سر غلط نہیں ٹھہرایا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم جنگ احزاب سے واپس ہوئے تو ہم لوگوں سے فرمایا کہ:

لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ(۱۰)

مذکورہ بالا واقعہ میں ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھی،دوسری جماعت نے اجتہاد کیا اور اس کے بعد حدیث کی جو مراد انھیں سمجھ آئی اس پر عمل کیا اور وقت ہونے پر راستہ میں نماز پڑھ لی،یہاں تک کہ حضور نے کسی کو غلط نہیں کہا،بلکہ سب کی نماز کو درست قرار دیا۔یہاں اختلاف اجتہاد کا اختلاف تھا،ہر ایک نے حدیث سے جو کچھ سمجھا اس پر عمل کیا،یہاں کوئی نزاع بھی نہیں ہوا۔

شاہ ولی اللہ ''اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ'' میں بیان کرتے ہیں:

"فَيَأْخُذُونَ بِهِ من غير أَن يبين أَن هَذَا ركن وَذَلِكَ أدب وَكَانَ يُصَلِّي فيرون صلَاته فيصلون كَمَا رَأَوْهُ يُصَلِّي وَحج فرمق النَّاس حجه فَفَعَلُوا كَمَا فعل

وَهَذَا كَانَ غَالب حَاله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَلم يبين أَن فروض الْوضُوء سِتَّة أَوْ أَرْبَعَة وَلم يفْرض أَنه يحْتَمل أَن يتَوَضَّأ إِنْسَان بِغَيْر مُوالَاة حَتَّى يحكم عَلَيْهِ بِالصِّحَّةِ أَو الْفساد إِلَّا مَا شَاءَ الله وقلما كَانُوا يسألونه عَن هَذِه الْأَشْيَاء"(۱۱)

آپ وضو فرماتے اور صحابہ کرام آپ کا طریقۂ وضو دیکھ کر اسے اختیار کر لیتے، بغیر اس کے حضور اس بات کی توضیح فرمائیں کہ یہ وضو کا رکن ہے اور فلاں چیز اس کے آداب میں سے ہے۔ اسی طرح آپ اسی طرح نماز پڑھتے، لوگ آپ کے نماز پڑھنے کا ڈھنگ دیکھ لیتے اور اسی طرح خود پڑھنے لگتے۔ آپ نے حج ادا فرمایا، لوگوں نے آپ کے حج کرنے کے طریقے اور مراسم دیکھے اور اسی طرح خود حج ادا کرنے لگے۔ الغرض آنحضرت کا عام طریقۂ تعلیم یہی تھا آپ نے کبھی توضیح نہیں فرمائی کہ وضو میں چار فرض ہیں یا چھ، اور نہ کبھی آپ نے یہ خیال کیا کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی شخص اعضائے وضو کو لگاتار نہ دھوئے اس لئے ایسے وضو کے ہونے یا نہ ہونے کا پیشگی حکم دے دینا چاہیے۔ اس قسم کی فرضی اور غیر واقعی صورتوں کے احکام کی بابت آپ نے شاذو نادر ہی کبھی کچھ فرمایا ہے۔

آپ کا دور عدم اختلاف کا دورِ سعید تھا۔ رسول اللہ کی ذاتِ گرامی تمام صحابہ کرامؓ کی مرجع تھی۔ جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیش آتا، یا کسی قسم کی مشکل کا سامنا ہوتا تو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل بتاتے۔ آپ ان کے لئے احکام کی وضاحت فرماتے۔ اس طرح ان کے سامنے حق واضح ہو جاتا۔ اور ان کی مشکل حل ہو جاتی۔

صحابہؓ سے لے کر علمائے امت تک فروعی مسائل میں اختلاف کرتے آئے ہیں۔ اجتہادی مسائل میں حق و باطل کا اختلاف نہیں بلکہ صواب واحتمال خطا کا اختلاف ہے، جس میں صواب کو پہنچنے والا گو ایک ہی ہوگا، مگر اجر کے مستحق دونوں ہی ہوتے ہیں اس کی صراحت ووضاحت حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے۔ اس لیے ایسے اختلاف کو مذموم نہیں بلکہ محمود کہا جائے گا۔ جس کی بنیاد پر دوسرے کی تکفیر و تکذیب نہیں کی جائے گی۔

اختلاف کی تعریف کرتے ہوئے علامہ جرجانی فرماتے ہیں: "الخلاف منازعة تجرى بين المتعارضين لتحقيق حق أو لإبطال باطل" (۱۲) حق کے اثبات اور باطل کے ابطال کے لیے دو فریقوں کے درمیان جو بحث و مباحثہ ہو اس کا نام اختلاف ہے۔

علامہ جرجانی کی اس تعریف کا اطلاق کلیات وجزئیات دونوں طرح کے اختلافات پر ہوتا ہے، اس لیے اختلاف کی حد بندی کے بغیر اس کی ہیت وماہیئت تک رسائی ممکن نہ ہو گی۔

سعید بن ناصر الغامدی اپنی کتاب ''حقیقۃ البدعۃ واحکامہا'' میں ملتِ اسلامیہ میں اختلاف کی دو اقسام بیان کرتے ہیں:

"النوع الأول: الاختلاف فی مسائل الاجتهاد، وهو اختلاف التنوع وهذاليس بمذموم وليس أهله من أهل التفرق والعذاب النوع الثاني: اختلاف أهل البدع والأهواء، فی القواعد الكلية والأصول الشرعية الاعتقادية والعبادية"(۱۳)

پہلی قسم اجتہادی مسائل میں اختلاف ہے جو اختلافِ تنوع ہے جو مذموم نہیں ہے اور اس کا حامل اہل تفرق و عذاب نہیں۔دوسری قسم اہل بدعت و ہوا ہے جن کا اختلاف قواعد کلیہ،اصولِ شریعہ،اعتقادات و عبادات میں ہے جو قابلِ مذمت ہے۔

یہ امر واضح ہو گیا کہ ہر وہ اختلاف مذموم ہے، جس میں اپنی ہواء اور خواہشات کی بناء پر قرآن سے دور رہ کر سوچا جائے، لیکن اگر قرآن پر مجتمع رہتے ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی تشریح و تفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی بناء پر فروع میں اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف فطری ہے، اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔

دوسری قسم کا اختلاف ،اختلافِ تنوع ہے۔جس سے مراد وہ علمی اختلافات ہیں جو صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے درمیان اجتہاد کے ذریعے غیر منصوص مسائل کے حکم شرعی معلوم کرنے کے سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں دو مختلف اقوال ہوتے ہیں اور دونوں شریعت سے ثابت ہوتے ہیں۔آدمی کو اختیار ہے کہ جو مرضی اختیار کرے اسے اختلافِ تنوع کہا جا سکتا ہے۔فقہاء نے اسے افضل اور غیر افضل کے تناظر میں بیان کیا ہے۔

مثلاً سفر میں روزے رکھنا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۱٤)

تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو

اسی اختلاف میں افضل اور مفضول کا اختلاف ہے۔ جیسے عورت کی نماز گھر میں افضل ہے لیکن مسجد میں جا کر پڑھنا اس کے لئے جائز ہے۔

اجتہادی مسائل میں اختلاف کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جب ہر فقیہ یا مفسر کا مقصود ایک ہی ہو لیکن اندازِ تعبیر الگ الگ ہو۔ یعنی ہر فقیہ یا مفسر نے اس مقصد کو اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو۔ مثلاً سورۂ فاتحہ " الصراط المستقیم " کی تفسیر میں کسی نے اس سے قرآن مراد لیا ہے اور کسی نے اسلام ۔یہاں دونوں اقوال کا مقصود ایک ہی ہے، کیونکہ اسلام قرآن کریم کی اتباع کا نام ہے۔ یہاں کسی قسم کا حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ(۱۵)

تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ میانہ رو ہیں۔ اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں ۔

بعض مفسرین نے سابق بالخیرات کا معانی ابتدائی وقت میں نماز کی ادائیگی، مقتصد کا معانی درمیانی وقت میں ادائیگی، جب کہ ظالم لنفسہ کا معنی اخیر وقت میں نماز کی ادائیگی مراد لیا ہے۔ بعض مفسرین نے سابق بالخیرات کا معنی صدقہ ، مقتصد کا معنی خرید وفروخت اور ظالم لنفسہ کا معنی سود خور مراد لیا ہے۔ یہاں ہر مفسر نے بطور مثال نیک کاموں میں سبقت، اعتدال اور ظلم کی ایک ایک شکل ذکر کر دی۔ یہاں بھی کسی قسم کا حقیقی تضاد نہیں ہے۔ اسی طرح اختلافِ تضاد ہے، جب کسی مسئلے میں فقہا کی متضاد آرا ہوں تو اسے اختلافِ تضاد کہا جاتا ہے اس کو حقیقی اختلاف سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فقہاء کے درمیان ان جزوی مسائل میں اختلاف اس وجہ سے واقع ہوا کہ شریعت نے اپنے بڑے حصہ میں جزوی اور متعینہ احکام دینے کے بجائے محض اصولی ہدایات دی ہیں؛ تاکہ ہر دور کے حالات اور ضروریات اور عرف ورواج کے مطابق عمل کی مختلف شکلیں وجود میں آسکیں اور اس نے اپنے احکام میں ایسی کشائش وگنجائش رکھی ہے کہ ایک ہی عمل کو مختلف شکل میں انجام دیا جاسکے اور امت ضرورت کے وقت عمل کی جس شکل کو چاہے اختیار کرے، یہ اس طرح ہوا ہے کہ شریعت نے ایک حکم کو بتانے کے لیے کبھی ایسے لفظ کا استعمال کیا ہے جو مختلف معانی کا محتمل ہوتا ہے، جس میں ہر مجتہد اپنی فہم کی بنیاد پر ایک معنی متعین کرتا ہے، معانی کے اس اختلاف سے عمل کی مختلف شکلیں وجود میں آتی ہیں، اس طرح سے فقہاء کے مابین نقطۂ نظر کا اختلاف ہو جاتا ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ حکم تو نص میں صراحت کے ساتھ موجود ہوتا ہے، اس کے تعلق سے

ائمہ کے درمیان اتفاق بھی پایا جاتا ہے؛ البتہ اس حکم کے سبب اور علت کی تلاش و جستجو میں ہر فقیہ نے دلائل وشواہد کی روشنی میں الگ راہ اپنائی ہوتی ہے۔

پس ائمہ مجتہدین کے اختلافات اور ان کے مرتب فقہی ذخیرہ کی حیثیت شریعت کی تشریح وترجمانی کی ہے۔ان کے استنباط پر عمل کرنا اتباع ہوی نہیں ،اتباع شریعت ہے۔

مفتی محمد شفیع "معارف القرآن "میں اجتہادی اختلافات کے بارے میں لکھتے ہیں:" اجتہادی اختلافات میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی اس پر نکیر جائز نہیں "(۱٦)

اختلاف عہدِ نبوی ﷺ سے موجود ہے۔اس لیے فقہاء کرام امامِ ابو حنیفہؒ ،امام مالکؒ ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا باہم دلائل کی بنیاد پر کسی بھی جزوی اور فروعی مسئلے میں مختلف رائے رکھنا ہر گز فرقہ واریت نہیں۔

غلام رسول سعیدی، مولانا،تبیان القرآن میں اختلاف کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف پر وعید نہیں ہے جیسے ائمہ اربعہ کے فروعی مسائل میں مختلف مذاہب ہیں' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض آیات کے متعدد معانی ہوتے ہیں جیسے قرء کے معنی حیض اور طہر ہے' اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عبادت کے مختلف طریقے مروی ہوتے ہیں جیسے آپ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین کیا اور اس کو ترک بھی کیا' اسی طرح قرات خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ' اور احادیث کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوتا ہے' راویوں کے ضعف اور قوت کے لحاظ سے بھی اختلاف ہوتا ہے اس لیے ایک حدیث ایک امام کے نزدیک مقبول ہوتی ہے اور دوسرے امام کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی' مثلاً ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ کا فقہاء احناف کے نزدیک اپنے والد حضرت ابن مسعودؓ سے سماع ثابت ہے اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک یہ سماع ثابت نہیں ہے لہٰذا ابو عبیدہؓ کی اپنے والد سے روایت احناف کے نزدیک متصل اور مقبول ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگی' سو اس طرح آیات کے معانی' نبی کریم کے افعال اور ثبوت روایات میں اختلاف کی وجہ سے مجتہدین کا فروعی مسائل میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف جائز اور رحمت کا سبب ہے' اور اس میں ان کے لیے وسعت اور آسانی ہے (۱۷)

اسی اختلاف کا تذکرہ ابن عبد البر نے "جامع بیان العلم وفضلہ" میں کیا ہے۔ حضرت عمر بن

عبدالعزیز کا جملہ بہت ہی وقعت رکھتا ہے:

"ماَ سرّني أنّ أصحاب محمد لم يختلفوا، لأنهم لو لم يختلفوا لم تكن رخصة "(۱۸)

علامہ شاطبیؒ بڑے نامور فقیہ اور اصولی ہیں۔ وہ اپنی کتاب "الاعتصام" میں لکھتے ہیں:

"انا نقطع بان الخلاف فی مسائل الاجتھاد واقع فیمن حصل له محض الرحمة "(۱۹) -

علامہ شاطبیؒ کے قول کی روشنی میں یہ حقیقت مترشح ہے کہ فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے کج روئی، فرقہ بندی اور نزاعِ باہمی تک کی کیفیت نہیں ہونی چاہیے۔ اختلاف دیانت و صداقت پر مبنی ہو تو انسان کے لئے باعثِ صدر و رحمت اور موجبِ ارتقائے افکارِ انسانی ہے اور یہ اختلاف صحابہ اور ان کے بعد والوں کے درمیان واقع ہوا ہے۔

ڈاکٹر طہ جابر العلوانی اپنی کتاب " اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب" لکھتے ہیں: فکری امور و معاملات جن سے فقہی مسائل کا استخراج ہوتا ہے، ان میں اختلاف ہونا ایک فطری چیز ہے۔ کیونکہ لوگوں کا شعور و احساس ان کی عقل و فہم یہ سب چیزیں فطرتاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بنیاد تسلیم کر لینے کے بعد لازمی طور پر یہ جاننا پڑے گا۔ کہ عہد رسالت و عہد صحابہؓ میں بھی اختلافات ہوئے اور تاریخی واقعات ان کے گواہ ہیں جن کا انکار دین کی کوئی خدمت نہیں، اور جن کے ذکر سے اس مثالی دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ورنہ باہمی اختلافات صحابہ اکرامؓ سے ان نیتوں کی صداقت مجروح ہوتی ہے۔ بلکہ ان سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہ دین فطری اور قابل عمل ہے۔(۲۰)

دین اسلام ایک آفاقی، فطری، ہمہ گیر، عالم گیر اور سائنٹیفک ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو سطحی افکار اور روایتی تنگ نظریوں سے ماورا ایک اعلیٰ ترین نصب العین اور مقصد حیات عطا کرتا ہے۔

اسلام میں اختلاف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا مودودی رقم طراز ہیں: "قرآن اس صحت بخش اختلافِ رائے کا مخالف نہیں ہے جو دین میں متفق اور اسلامی نظام جماعت میں متحد رہتے ہوئے محض احکام و قوانین کی تعبیر میں مخلصانہ تحقیق پر کیا جائے بلکہ وہ مذمت اس اختلاف کی کرتا ہے جو نفسانیت اور کج روئی سے شروع ہو اور فرقہ بندی اور نزاعِ باہمی تک پہنچا دے۔ یہ دونوں قسم کے اختلاف نہ اپنی حقیقت میں یکساں ہیں اور نہ اپنے نتائج میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں کہ دونوں کو ایک لکڑی سے ہانک دیا جائے۔" (۲۱)

گویا اختلاف جو دیانت و خلوص پر مبنی ہو اور محض احکام و قوانین کی تعبیر پر شریعت کے اصول و ضوابط کے تحت کیا جائے اس میں امت لے لئے وسعت ہے۔ ایسے اختلاف سے اجتناب کرنا چاہیے جو نزاعِ باہمی کا

باعث بنے۔

اختلاف کی اسی حقیقت کو عبد الوحید خان اپنی کتاب ”افکار و سیاساتِ اسلامی “میں ان الفاظ میں کرتے ہیں: ”افکار و آراء کا اختلاف فطرتِ انسانی میں داخل ہے ،اگر ایسا اختلاف دیانت و صداقت پر مبنی ہو تو انسان کے لئے باعثِ صدر و رحمت اور موجبِ ارتقائے افکارِ انسانی ہے۔لیکن اختلافِ آراء کی بنیاد پر فرقہ بندی اور گروہ سازی کے قصر کی تعمیر تمام فتنوں کا سبب ہے۔“ (۲۲)

اختلافِ آراء ہی میں انسانی فکر کا ارتقاء ہے۔زندگی کا حسن ہی تنوع سے ہے۔ تمام انسان ایک ہی طرز پر نہیں سوچ سکتے۔ایسا اختلاف جو شریعت سے متصادم نہ ہو ،صداقت و دیانت پر مبنی ہو وہ انسان کے لئے باعثِ وسعت ہے۔انہی خیالات کا اظہار مفتی محمد شفیع نے ”معارف القرآن“ میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ان کے نزدیک: ”نظری مسائل میں آراء کا اختلاف نہ مضر ہے نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہےاور نہ مٹایا جا سکتا ہے۔اختلافِ رائے نہ وحدتِ اسلامی کے منافی ہے نہ کسی کے لئے مضر۔اختلافِ رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے جس سے انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا نہ رہ سکتا ہے۔“ (۲۳)انسان ایک ہی انداز سے کسی واقعے یا معاملے کو نہیں لیتا۔ہر انسان کا اندازِ تفکر و فہم دوسرے سے تفاوت رکھتا ہے۔معاصر فقہی دنیا میں ڈاکٹر جاسر عودۃ ایک معروف نام ہے۔وہ اختلاف کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ”اختلاف طبعیتوں ، عقلوں اور اخذ کرنے کی صلاحیتوں میں تفاوت کا فطری نتیجہ ہے۔“ (۲۴)

خلاصۂ بحث

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ، صحابہ و تابعین اور ائمہ فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا۔ اسلامی مسالک کے مابین اصل اختلاف تاویل و تفسیر کا ہے۔ہم نے قرآن و حدیث سے ایک طرح سے حکم لیا ہے ،ہم اس پر عمل کر رہے ہیں۔دوسرے نے دوسری طرح سے لیا ہے اور وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ امت کے اسلاف میں جو اختلاف واقع ہوئے اور ہوتے رہیں گے وہ انہیں مظاہر فطرت کے اجزا ہیں ۔یہ اختلافات اپنے حدود سے متجاوز نہ ہوں اور ان کے اصول و آداب کا التزام کیا جائے تو یہ ایک بہت زیادہ مفید و نفع بخش چیز ہو گی اور اگر حدود و آداب کی رعایت کرتے ہوئے اختلاف کیا جائے تو وہ کبھی بھی منازعہ ، مجادلہ یا شقاق کی صورت اختیار نہیں کرے گا لیکن جب اختلاف کی بنیاد ہی نفس پرستی ،ذاتی اغراض و مقاصد، شخصیت پرستی، تنگ نظری، خلاف و عناد، قومیت پرستی ہو تو پھر انسان حدود سے نکل کر سوچنے لگتا ہے۔اس میں جتنی ہم آہنگی ہو سکتی ہے وہ اچھی ہے اور جہاں نہیں ہو سکتی اپنے اپنے نقطۂ نظر پر عمل کریں۔ مسلمانوں کے باہمی

اختلاف کچھ تو عقائد میں ہیں اور زیادہ تر عملی احکام میں، عقائد میں بعض اختلاف یقیناً گمراہی کے قبیل سے ہیں۔ اختلاف میں کوئی حرج نہیں لیکن تناؤ، قتل و غارت اور تشدّد کی کیفیت نہیں ہونی چاہیے۔ تفسیق، تضلیل، تجہیل و تکفیر سے بچنا چاہیے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اختلاف و تفرقے کے قرآنی فلسفے و حکمت کو سمجھیں اور اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لئے اپنے آپ کو دین کی ہم آہنگ بنیادوں پر مرتکز کریں۔ اسلامی شریعت میں اتنی جامعیت موجود ہے کہ وہ ہر ذوق اور ہر مزاج کے انسان کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت رکھتی ہے بشرطیکہ وہ حق کا متلاشی ہو۔ حق تک رسائی میں اختلافِ رائے کا ہو جانا قدرتی عمل ہے۔ یہ اختلاف اپنی فطری حدود سے نکل کر افتراق و تشتت کا باعث نہیں بننا چاہیے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن منظور، لسان العرب، دار احیاالتراث العربی، موسس التاریخ العربی، بیروت، لبنان، ص: ۱۹۰/۴

(۲) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، شعبہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، طبع اوّل ۱۹۶۲ء ص: ۱۷۶/۲

(۳) سورۃالفاطر ۳۵: ۲۷

(۴) سورۃالفاطر ۲۸: ۳۵

(۵) سورۃالانفال ۸: ۴۶

(۶) سورۃ مریم ۱۹: ۳۷

(۷) سورۃالنساء ۴: ۳۵

(۸) سورۃالنساء ۴: ۵۹

(۹) حبیب الرحمان، ڈاکٹر، قواعدِ اصولیہ میں فقہا کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، طبع دوم، ۲۰۱۳ء، ص: ط

(۱۰) امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب: مرجع النبی صلی اللہ علیہ و سلم من الأحزاب ومخرجه إلى بنی قریظه ومحاصرته إیاهم، حدیث: ۳۸۳۹، ص: ۱۵۱۰/۴

(۱۱) شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف، دار النفائس، بیروت، ۱۴۰۴ھ، ص: ۱۶/۱

(۱۲) علی بن محمد بن علی الجرجانی، التعریفات، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۰۵، ص: ۱۳۵/۱

(۱۳) سعید بن ناصر الغامدی، حقیقۃ البدعۃ وأحکامھا، مکتبۃ الرشد، الریاض، ص: ۱۷۳/۱

(۱۴) سورۃ البقرۃ۲: ۱۸۵

(۱۵) سورۃ الفاطر: ۳۵: ۳۲

(۱۶) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، طبع اوّل: ۱۹۶۹، ص: ۲/ ۱۳۸

(۱۷) غلام رسول سعیدی، مولانا، تبیان القرآن، سورۃ المائدہ، ادارہ المعارف کراچی ۱۹۹۳ ص :۷۸/۵۔۷۹

(۱۸) ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۸ھ، ص: ۷۸/۲

(۱۹) إبراہیم بن موسی بن محمد، دار ابن عفان، الاعتصام، السعودیہ، الطبعۃ الأولیٰ، ۱۴۱۲ھ، ص: ۱۷۰/۲

(۲۰) جابر فیاض العلوانی، ڈاکٹر، اسلام میں اختلاف کے اصول وآداب، کتبہ الکتاب حق سٹریٹ، اُردو بازار لاہور، ص: ۹۵

(۲۱) ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا، تفہیمات، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، ۱۹۹۵ء، ص: ۳۸/۱

(۲۲) عبد الوحید خان، افکار و سیاسیات اسلامی (اسلام میں عجمی افکار کے اثرات و نتائج پر تنقید)، لکھنو، اشاعت، ندارد ص: ۳۱۵

(۲۳) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ص: ۲/ ۱۳۳

(۲۴) جاسر عودہ، ڈاکٹر، فقہ مقاصد، مترجم: الیاس نعمانی ندوی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۲۰۰۸ء حوالہ:- http://documents.tips/documents/

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆